Majallah Tahqiq
Research Journal of
the Faculty of Oriental Learning
Vol: 37, Sr.No.105, 2016 pp 05 - 18

مجلّہ تحقیق
مجلۂ کلیۂ علومِ شرقیہ
جلد ۳۷، اکتوبر۔دسمبر ۲۰۱۶ء، شمارہ ۱۰۵

ظفر حسین اشک (ایک غیر معروف کلاسیک شاعر)

ڈاکٹر طاہرہ اقبال☆

Abstract:

"The 1st quarter of 20th century era of great poets like Allama Iqbal & Hafeez Jalandri. At the same time Zafar Hussain Ashk was also saying poetry in Urdu & Persian. But his name was not known and hidden due to nan presentation and presence of the high level poets.

Later on after fifty years of his death, his daughter Begum Saeedia Zia published his poetry under the name of Kulyat Ashk in Urdu and Sahan-e-Kuld in Persian. After reading these collection we come to know that Ashk's poetry had not only of acient type & classical style, but his poetry also had influenced by modern movements & latest styles, for critics his poetry open new door to think & discuss."

(بیسویں صدی کے ربع اوّل میں اقبال اور حفیظ جالندھری جیسے قادر الکلام شعرا کے عہد میں ظفر حسین اشک (۱۸۹۶ء۔۱۹۵۰ء) اُردو اور فارسی دونوں زبانوں میں طبع آزمائی کر رہے تھے۔لیکن اُن کا نام وقت کی گرد میں چھپ گیا۔ وفات کے تقریباً پچاس برس بعد اُن کی بیٹی بیگم سعیدہ ضیاء نے اُن کے اُردو کلام کو ''کلیاتِ اشک'' اور فارسی کلام ''صحن خلد'' کے نام سے شائع کروایا۔ ان مجموعوں کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ اشک قدیم رنگ شاعری اور کلاسیکی اسلوبِ بیان کے حامل اچھے شاعر ہیں بلکہ جدید تحریکوں اور اسالیب کے اثرات بھی اُن پر واضح ہیں۔ ناقدین کے لیے اُن کی شاعری فکر و نظر کے کئی در وا کرتی ہے۔)

☆ پروفیسر، جی سی وویمن یونیورسٹی، فیصل آباد۔

ادب کی روائتوں میں ہمیشہ یہ سلسلہ موجود رہا ہے کہ ہر عہد میں چند اہم اور معروف ناموں کے متوازی بہت سے غیر معروف شعراء واد باء ادب کے سرمایے میں اپنا حصہ ڈالتے رہے ہیں۔

بعض اوقات ان کے اٹھ جانے کے بعد یکدم ادبی دنیا کو یہ احساس ہوتا ہے کہ جس مقام و مرتبے پر انہیں فائز ہونا چاہیے تھا اُن کے دور میں اُنہیں وہ درجہ حاصل نہ ہو سکا۔ بس پھر چہار دانگ اُن کی گونج سنائی دینے لگتی ہے۔ مثلاً غالب، مجید امجد، منٹو وغیرہ لیکن اکثر اوقات ایسے بھی ہوا کہ وقت کی گرد میں وہ نام مزید دھندلا گئے بلکہ مٹ گئے۔ پھر کسی زمانے میں کسی محقق یا ناقد نے اُس گرد کو جھاڑا اور نئے عہد سے انہیں متعارف کروایا۔

ایسے بہت سے ناموں میں سے ایک نام ظفر حسین اشک کا بھی ہے جو اُردو اور فارسی کے عمدہ شاعر ہیں۔ اس عہد میں علامہ اقبال، حفیظ جالندھری، مولانا ظفر علی خان، عبدالمجید سالک، صوفی غلام مصطفیٰ تبسم اور جگر مراد آبادی جیسے نامور شعرا اپنے فکر وفن سے اُردو شاعری کو ثروت مند بنا رہے تھے اسی Stream Line کے ہمراہ زیریں سروں میں اشک بھی اُردو فارسی دونوں زبانوں میں طبع آزمائی کر رہے تھے۔

ظفر حسین اشک ۲۸ مئی ۱۸۹۶ء کو ہندوستان کی ریاست کپورتھلہ میں مولوی غلام محی الدین کے ہاں پیدا ہوئے۔ جو ایک عالم دین اور شاعر تھے۔ ظفر حسین اشک چھ بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے۔ ابتدائی تعلیم ریاست کپورتھلہ میں ہی حاصل کی گورنمنٹ کالج لاہور سے بی۔اے کیا۔ پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے انگلش امتیازی نمبروں سے پاس کیا۔ کئی زبانوں پر انہیں عبور حاصل تھا۔ اسی لیے ریاست کپورتھلہ کی جانب سے انہیں ہفت اقلیم کے سرکاری اعزاز سے بھی نوازا گیا۔ جہاں وہ مجسٹریٹ کے عہدے پر فائز ہو گئے۔ قیامِ پاکستان کے بعد ری ہیبلیٹیشن کمشنر اور کسٹوڈین کے سرکاری عہدوں پر درجہ بدرجہ ترقی پائی۔ (۱)

دورانِ تعلیم ہی انہوں نے شاعری میں طبع آزمائی شروع کر دی تھی اور اپنا تخلص عاشق رکھا۔ بعد ازاں تخلص عاشق سے بدل کر اشک رکھ لیا اور پھر یہی تخلص اپنائے رکھا۔ ظفر حسین اشک نے شاعری کی کئی اصناف میں لکھا لیکن موضوعات اور تعداد کے لحاظ سے ان کی غزلیں سرفہرست ہیں جو متنوع موضوعات کی حامل ہیں مثلاً عشق و محبت کی مختلف کیفیات جمالیات پسندی، سماجی طبقاتی تفاوت کا اظہار، معاشرتی رویے، اقدار، سیاسی حالات کائنات اور بین الاقوامی موضوعات بھی اُن کی غزلیات کا حصہ ہیں۔

اُن کی غزل گوئی میں روایتی اسالیب نمایاں ہیں۔ خصوصاً داغ اور اُن کے شاگردوں کے اثرات غالب ہیں۔ کلاسیکی پیرائے میں تصوف کی ایک زیریں لہر اُن کی غزل کا حصہ ہے۔ یہ اشعار دیکھیے:

وہ دل کہ جس میں پرتوِ ربِ غفور تھا

وہ دل کہ جو فرودِ گہہ برق طور تھا!

یارب سیاہیِ غمِ عصیاں سے کیا ہوا

وہ دل مرا کبھی جو ہم آغوش نور تھا(۲)

اشک جس دور میں تخلیقی اظہار کر رہے تھے۔ وہ دور اقبال کے اثرات کا حامل دور تھا۔

اقبال کی اثر پذیری اشک کے ہاں بھی دکھائی دیتی ہے۔مثلاً:

شکوہ پیاں جفا کارئ صیاد نہ ہو
دیکھ یہ تیری زباں پر کہیں فریاد نہ ہو
عشرتِ دید گلِ تر کو غنیمت بھی نہ جان
اس میں پوشیدہ کوئی حکمتِ صیاد نہ ہو
اک نئی رسم رہِ عشق میں پیدا کر دے
یعنی مایوسِ تمنا کبھی ناشاد نہ ہو(۳)

اقبال کی طرح خودی اور انانیت کا رویہ بھی نمایاں ہے۔مثلاً:

رہبر کی طرف دیکھ نہ منزل کی طرف دیکھ
ہے ذوقِ نظر تو روش دل کی طرف دیکھ(۴)

ان اشعار میں اقبال کی تراکیب تشبیہات اور خیالات کا پرتو موجود ہے۔''عروجِ زوال اسلامیاں'' بھی اسی مضمون کی حامل نظم ہے جس میں مسلمانوں کے عروج و زوال کی داستان چھیڑی گئی ہے۔ اُن کا خیال ہے کہ منتشر خیالی نے مسلمانوں کو پریشانی کا تحفہ دیا۔سیاسی، سماجی اور اخلاقی اتھل پتھل نے اُن کی محکم ذہنی و علمی بنیادیں بھی لرزا دیں۔

ہمیں اے کاش اپنی کیفیت کا ہوش آجائے
اسی صہبائے آفت کوش کا اک جوش آجائے
مگر یہ سنگ میرے شان رکھتے ہیں نگینوں کی
صلابت دیدنی ہے آج قرآن کے امینوں میں(۵)

اشک کے ہاں عشق کے روایتی مضامین بکثرت موجود ہیں انہیں کہیں حسن پاکیزہ کا خیال نمازِ عشقِ کامل معلوم ہوتا ہے تو کہیں انتہائے عاشقی کو ابتدائے آرزو قرار دیتے ہیں۔اشک کے ہاں مجبوری رویوں کی جگہ امید اور نئی راہیں تراشنے کی ترغیب شاعرانہ اسلوب میں واضح ہے۔

لب خاموش گل سے عشق کی تعلیم حاصل کر
کمالِ عشق ضبطِ نالہ و آہ و نغاں تک ہے(۶)

روایتی مضامین کی بازخوانی ضرور ہے لیکن اظہار بیاں منفرد محبوب کی سراپا نگاری محبت کی جذباتی مرقع کشی خوب ملاحظہ ہو:

خیالِ حسن پاکیزہ نمازِ عشق کامل ہے
اقامت ہے فغاں اور نالۂ دل ہے اذاں مجھ کو
وہی ہے مہر انور میں وہی ہے ماہِ کامل میں
وہی گل میں وہی مُکل میں وہی ہے شمعِ محفل میں
میں ہوں الفت آشنا میری یہی تقصیر ہے
بے گناہی میرے حق میں جرم کی تعزیر ہے(۷)

اشک کے ہاں نشاطیہ اور طربیہ رنگ غالباً ان کی خوشحال زندگی کی دین ہے۔ یوں بھی منفیت و مجہولیت کے برعکس زندہ دلی مثبت رویے اور تعمیری سوچ ان کی اُردو شاعری کے اہم وصف ہیں۔

جل چکی تھیں شمعیں ساقی بجھ گیا تھا دل مرا
مسکرا کر اُس نے تازہ رنگِ محفل کر دیا(۸)

اشک کے بیشتر مضامین و اسالیب روایتی رنگِ تغزل کے قریب لیکن اک نئے ذائقے کے حامل ہیں۔ شعری علامتیں تشبیہات، تلمیحات اُن کی غزل کے صوتی حسن میں بھی اضافے کا باعث ہیں۔ یہ مترنم بحرین سمعی وصوری دلکشی بھی رکھتی ہیں۔

ذروں پر پڑ رہی ہے نظر آفتاب کی
ہم پر بھی ان دنوں ہے عنایت جناب کی
اشک ہم بھی ہیں کہ سو جلوے نگاہوں میں نہاں
اور موسیٰ مر رہے تھے شمع ایمن کے لیے(۹)

اشک کی غزلوں میں شعور اور وجدان کا ارتکاز موجود ہے۔ بیک وقت جبلت اور ارتقائے حیات کی لطافتوں کی جھنکار سنائی دیتی ہے۔ اُن کی غزلیات اُردو کے شعری سرمایے میں ایک قابلِ قدر حصہ ڈالتی ہیں جن میں اس زمانے کے شعری اور فکری رجحانات، سیاسی، سماجی مسائل کی عکاسی اور شاعر کی داخلی کیفیات کے نمایاں رجحانات کو مختلف زاویوں اور رنگ میں نمایاں کیا گیا ہے۔

آصف بشیر چشتی لکھتے ہیں:

''ہر خیال پختہ اور ہر شعر معاشرے کی ایک جیتی جاگتی تصویر۔۔۔ اشک غزل کہتے ہیں تو ہر شعر میں ایک دنیا آباد کر دیتے ہیں۔''(۱۰)

اشک نے غزل گوئی کے ساتھ نظم میں بھی طبع آزمائی کی ہے۔نظم میں اُن کے ہاں بیسویں صدی کے ربع اوّل میں مروج ہونے والے اسالیب نمایاں ہیں۔یعنی قطعہ بند اور آزاد نظموں کے ساتھ گیت نما پابند اور معرا نظموں کا چلن موجود ہے۔مثلاً اُن کی نظم ''شاہد قدرت۔۔۔چاند'' اُن کے کلیات میں شامل یہ طویل معرا نظم ہے۔

صدمہ فراقِ یار کا
صبر و تحمل لے گیا
اب ہے تو آہ و یاس ہے
یا حسرتِ آرام جاں
غم کا سماں ہے سربسر
درد و الم سے چور ہوں(۱۱)

یہ نظم معرا ۱۸۴اشعار پر مشتمل ہے۔جس میں شاعر نے محبت گرفتہ دل کی مختلف کیفیات کو پُر سوز انداز میں پیش کیا ہے۔اداسی،الم اور نارسائی کی کیفیات میں دکھ اور وحشت کا سماں ہے۔شاعر تنہائی اور بے رحم سائے کے خوف سے دوچار ہے اور پُر الم دل کی سیاہی کے مٹنے اور روشنی و شادمانی کے جلووں کے ظہور کا طلب گار ہے۔

کچھ ایسی خاموشی ہوئی
دل کی دھڑکن سننے لگی
اور سانس اک آواز تھی
اک دم دھماکہ ہوا(۱۲)

دراصل یہ نظم شاعر کی متنوع ذہنی کیفیات کی مرقع کشی ہے۔اس طویل نظم میں ذہن و دل کئی تجربات واحساسات اور تصورات سے دوچار ہوتا ہے لیکن نظم حمدیہ تاثرات پر ختم ہوتی ہے۔

چوکنا کر دے مست کو
یعنی کہ صحن باغ میں
اک جشن مہتابی اُڑے
بلبل بھلا دے پھول کو
ہر فرد شاملِ حال ہو
ہو حمد رب العالمین(۱۳)

چھوٹی بحر کی یہ نظم اپنے اندر اک بہاؤ اور غنائیت رکھتی ہے۔ جس میں شاعر کی قدرت زباں واضح ہے۔ اشک کے ہاں کہیں کہیں تجرباتی انداز بھی موجود ہے۔ قوافی کا آزادانہ نظام بھی لطف دیتا ہے۔ محاکات نگاری بھی خوب ہے۔

صحن چمن کی گل ریزیاں
راتوں کی دل آزاریاں
رسوائیاں اور خواریاں
بے چمنیاں بے تابیاں
مجھ سے سبھی متروک ہوں
لوگوں کے استفسار پر
رمز نیاز و ناز بھی
وصلت کے سوز و ساز بھی(۱۴)

اشک کی نظمیں اپنے عہد کی سیاست وسماج کی بھی عکاس ہیں۔ مثلاً اپنی نظم ''غم مسلم'' میں مسلمانوں کی زبوں حالی کو پیش کرتے ہوئے سعیِ عمل کا درس دیتے ہیں جس پر مسدس حالی اور شکوہ، جوابِ شکوہ کے اثرات نظر آتے ہیں۔ تعمیر کا جذبہ غالب ہے۔ آزادی کی لو اور خودی پر بھروسہ ہر حساس انسان کا ایمان ہے۔ حریت خیال، حرمت جاں اور تگ و تاز کا یہ انداز اقبال کے اثرات کو واضح کرتا ہے۔

اک نئی رسم رہِ عشق میں پیدا کر دے
یعنی مایوس تمنا کبھی ناشاد نہ ہو
آرزو ہو دم ایثار گزر جانے کی
اور بجز منزلِ مقصود کوئی یاد نہ ہو
بیڑیاں کاٹ کے پھر جوشِ جنوں دکھلا دے
جس میں موجود یہ قدرت نہیں آزاد نہ ہو(۱۵)

معرا نظم کے علاوہ جس دوسری ہیئت کو اشک نے بخوبی برتا وہ مستزاد ہے۔ مستزاد ہیئت میں اُن کے کلیات میں ''عورت ۱''، ''عورت ۲'' عنوان سے نظمیں شامل ہیں۔

فردوس میں اُڑتے ہوئے بادل کا پسینہ --- صحت کا خزینہ
فطرت کے حسیں عزم کے معراج کا زینہ --- جبریل کا سینہ (۱۶)

یہ مستزاد بھی قطعہ بند ہے کیونکہ مطلع کے بعد اس کی ہیئت میں ایک شعر، ایک ٹیپ کا مصرع شروع ہو جاتا ہے۔ آخر میں پہلے مصرعے کو پھر دہرایا گیا ہے۔ اسی طرح دوسرے مستزاد کا مطلع ہے۔

احساسِ شبِ تیرہ و تاریک نظر میں ۔۔۔ دل اور جگر میں
یا کھولتا دریائے نجس قصرِ سقر میں ۔۔۔ شیطان کے گھر میں

فنی لحاظ سے یہ دونوں مستزاد ایک پُرشکوہ اسلوب کے حامل ہیں۔ مفرس الفاظ کا استعمال اک رعب و تاثریت پیدا کرتا ہے۔ اشک کی ایک نظم ''مزدور اور سرمایہ دار'' کے عنوان سے دس اشعار پر مشتمل ہے جو سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف ایک ردِعمل اور احتجاج ہے جس پر ترقی پسند تحریک کے اثرات واضح ہیں۔ وہ عدل و مساوات کے خواہاں ہیں اور محنت کش طبقے سے ہمدردی ظاہر کرتے ہیں۔ اشک کی ایک نظم ''رنج و راحت'' کے عنوان سے کلیات میں شامل ہے۔ اس نظم میں اشک رنج کو مفتاحِ شادمانی اور درد کو آرام کی نشانی قرار دیتے ہیں۔ بلکہ رنج اور راحت کا ایک تسلسل زندگی کے ساتھ مشروط قرار دیتے ہیں۔ وہ زندگی کو موت کی تمہید سے تعبیر کرتے ہیں۔

زندگی ایک موت کی تمہید
موت اک تازہ زندگی کی نوید

''رودادِ بے کسی'' کے عنوان سے ایک نظم ۱۲۸ اشعار پر مشتمل ہے جو اشک نے اپنے والد مرحوم کی یاد میں لکھی۔ شاعر نسیم صبح گاہی سے یہ فریاد کرتا ہے کہ وہ اُس کے والد مرحوم تک یہ پیغام پہنچا دے۔

اے کہ تو راحت گزیں ہے جنت الفردوس میں
اے کہ تری روح قیدِ غم سے اب آزاد ہے

اس مرثیہ نما نظم کو پڑھتے ہوئے بھی اقبال کی نظم ''والدہ مرحومہ کی یاد میں'' کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ غالباً یہ نفسیاتی یا ادبی رویہ بھی رہا ہے کہ کسی عہد کے قلم کار اسی عہد کی مقبول اور مؤثر ادبی شخصیت کے رنگ کو دانستہ یا نادانستہ اپنانے لگتے ہیں۔ اشک نے اس نظم میں خوبصورت تراکیب اور قرآنی آیات کے حوالوں سے اپنی قلبی کیفیات کو بیان کرنے کی بھرپور سعی کی۔

لیس الانسان الا ماسعی کے ساتھ ساتھ
وبتغومن فضل کی بھی کچھ تمنا دے مجھے

''عشق کی ماہیت'' کے عنوان سے بارہ اشعار پر مشتمل نظم اُن کی جمالیاتی فکر کا خوبصورت نمونہ ہے۔ ان کے خیال میں عشق انسانی مقاصد کے حصول کا ایک اہم محرک ہے۔ فارسی الفاظ اور تراکیب کے استعمال سے اسلوب میں جاذبیت و وقار پیدا ہو گیا ہے۔

اعضائے لطافت پر ضو اس کی مساوی ہے
یہ حسن کی دنیا پر سو شان سے حاوی ہے(۱۷)

''تو کہاں گیا ہے ساقی'' چھوٹی بحر کی ہجر کی کیفیات کی عکاس عمدہ نظم ہے۔

میری جاں پر تعب ہے
کہ خمار ے طلب ہے
تیری چارہ سازیوں سے
تیری دل نوازیوں سے(۱۸)

''تنزل کا چکر'' بلندی و پستی کے فلسفے کو خوبصورت محاکات نگاری کے ساتھ پیش کرتی ہے۔ کئی دوسری اچھی نظموں کے کے علاوہ کلیاتِ اشک میں ایک طویل نظم ''محبت کا پھول'' بھی شامل ہے جو مکالماتی انداز میں لکھی گئی ہے اور ۱۳۴ اشعار پر مشتمل ہے۔

یہ نظم صحرا میں کانٹوں اور محبت کے پھول کے مابین ایک مکالمے کی صورت میں ہے۔ پھول کانٹوں کو اپنی بساطِ ہستی کا موازنہ پھول کی زندگی سے کرنے کا مشورہ دیتا ہے۔

صحرا میں کھلکھلا کے محبت کے پھول نے
کانٹوں کو یہ پیام دیا انبساط کا
گر چاہتے ہو دامنِ محبتوں سے چھیڑ چھاڑ
کر لو موازنہ ذرا اپنی بساط کا
ہم ننگ و نام عشقِ جنوں خیز کے امیں(۱۹)

پھول دراصل محبت کے جذبے کا ایک بلیغ استعارہ ہے جو علامتی انداز میں اس احساس کی تمام کیفیات و جزئیات وخواص کی تصویر کشی کرتا ہے کہ عشق زندگی کی بڑی حقیقت ہے جس کا اثبات فطرت کا ہر ذرہ کرتا ہے۔

اشک کی ایک نظم پریم سنگیت ۱۱۴ اشعار پر مشتمل نظم ہے۔ موضوع کے لحاظ سے یہ دو حصوں میں تقسیم ہے۔ ایک حصے میں فطرت اور جبلت کے منفی پہلوؤں یعنی حرص و ہوس کی عمل داری کا ماتم کیا گیا ہے اور محبت و انصاف کی دائمیت کو پیش کیا ہے کہ انسانیت کی تکریم و تعظیم دراصل اعلیٰ اخلاقی اقدار کے ہی تابع ہے۔

جس حکمت سے آنکھ کو لذت دل کو راحت حاصل ہو
جو دنیا کو شادابی دے ایسا ڈھنگ ایجاد کریں(۲۰)

نظم ''تنفر'' تو شہر آشوب معلوم ہوتی ہے، ''تیری خامشی بہانہ تھی تیری برہمی کا'' میں ''تو کہے'' کے بانکرار استعمال نے اظہار مدعا کو ایک دلچسپ اور پرکشش انداز بخش دیا ہے۔

تو کہے تو حسن پر میں ذرا ڈال لوں نگاہیں
کہ تعینات سے ہے سرو برگِ زندگی(۲۱)

نظم میں شاعر کا یہ یقین کامل ابھرتا ہے کہ زندگی کے تمام کام محرکات اور فعالتیں ایک ہستی کے

اشارۂ ابرو کی مرہونِ منت ہیں ''بزمِ مے کشی'' مثلث کی ہیئت میں لکھی گئی نظم ہے جس میں شاعر کو دورِ ہجر میں مے کشی میں کبھی کوئی لطف نہیں ملتا۔

رونقِ بزمِ مے کشی ہے ہی نہیں ترے بغیر
دور کی وہ ہماہمی ہے ہی نہیں ترے بغیر(۲۲)

ظفر حسین اشک کے متعلق ڈاکٹر ریاض مجید کی رائے ہے:

''اشک صاحب کا زمانہ بیسویں صدی کا دوسرا ربع ہے۔ان دنوں معاصر شعری رجحانات میں جمالیات پسندی منظر نگاری اور حسن دوستی کا رویہ عام تھا۔۔۔خصوصاً اُن کی نظموں میں جمالیات پسندی کے عناصر نمایاں نظر آتے ہیں۔''

اشک کی نظموں کے عنوانات اور شعری مثالیں اسی لیے کثرت سے دی گئیں کہ پچاس برس سے زائد گم نام رہنے والے شاعر کی شاعرانہ ہنرمندی اور شعری کائنات سے واقفیت پیدا کرتے ہوئے ناقدین اُن کی سمت متوجہ ہوسکیں۔ یہ شاعر کلاسیکی اسالیب اور قدیم شعری روایت سے جڑے رہنے کے باوجود ایک تازہ کاری پیش کرنے میں بھی کامیاب رہا ہے۔

اشک نے غزل اور نظم کی مختلف ہیئتوں میں طبع آزمائی کے علاوہ رباعیات بھی تحریر کیں۔ ان رباعیوں میں انہوں نے اپنا بھرپور تاثر قائم کیا اور شاعری کی عام ڈگر سے ہٹ کر نئے تصورات اور لہجے کو اپنانے کی کوشش کی۔ اجتماعی حوالوں سے زندگی کے مختلف پہلوؤں کو انسانیت کے دکھوں اور دنیا کی بے معنویت کو فلسفیانہ بنیادوں پر پیش کیا لیکن نظری اور فکری بنیادوں کے باوجود فکر میں پیچیدگی اور اظہار میں ابہام نہیں ہے۔

کون کہتا ہے کہ انسان بلا کوش نہیں
کون کہتا ہے کہ اس کو ہوسِ نوش نہیں
فکرِ امروز تو ہر حال میں لازم ہے اشک
کون کہتا ہے کہ بے کارِ غمِ دوش نہیں(۲۳)

اشک کی رباعیات میں فکری وفلسفیانہ جہت غالب ہے۔ لہجے میں پختگی روانی الفاظ کی موزونیت اور انفرادی وسماجی احوال کا پُراثر اظہار ملتا ہے۔ وہ معاشرتی اخلاقی قباحتوں پر تنقید بھی کرتے ہیں اور درست معیارات کی نشاندہی بھی۔ اُن کے ہاں عشق کی حیرتیں بھی موجود ہیں اور ادراکِ زمانہ بھی۔

راہِ الفت میں طبیعت کو لگانا آئے
لیکن اے کاش فراغت کا زمانہ آئے
تیری گہرائی میں اے شوق طلب کھو جاؤں

خود میں گم ہو کے مجھے تجھ میں سمانا آئے (۲۴)

اشک فنی پختگی ہیئت کے تجربات اور مشاہدات سے شعری ادراک کو متحرک کرتے ہیں۔ ان کی جزئیات نگاری کے لفظی بیانیے سے جذبے کی تصویر فضا بندی اور عصری منظرنامے کو ترتیب دیا جا سکتا ہے۔ یقیناً رباعی کے فنی تقاضوں سے عہدہ برا ہونا ایک مشکل عمل ہے۔ اشک نے شاعری میں اپنی مہارت اور زبان دانی کی بدولت رباعی کی صنف کو اساتذہ کے انداز میں بڑھایا ہے۔ انہوں نے ''اخرب اور اخرم دونوں کے اوزان کو برتا ہے اور رباعی کے مختلف حصوں کی شکل رباعی کے انہی اوزان سے حاصل کی ہے۔ جو اخرب اور اخرم سے خاص ہیں اچھی رباعی کے لیے ضروری ہے کہ اس میں پہلے تین مصرعے معنوی فضا کی تشکیل کریں اور چوتھے مصرعے میں ایک ضرب کی طرح ان مفاہیم کو ایک مرکزی نکتے پر منطبق کیا جائے اس حوالے سے اشک کی رباعیاں کامیاب اور رباعی کے فنی محاسن کو پورا کرتی ہیں۔ ان کے ہاں چوتھا مصرع جس فنی مہارت کے ساتھ آتا ہے اس سے رباعی کی تاثیر میں اضافہ ہوتا ہے۔

اے خدا حسن فسوں گر نہ بنایا ہوتا
محرم راز پھر اپنا نہ پرایا ہوتا
اب گلہ ہے کہ تجھے ہم نے کیا ہے بدنام
خاک کے پتلے کو یہ گر نہ سکھایا ہوتا (۲۵)

یہ رباعیات کم تعداد کے باوجود شعری خصوصیات کے سبب اپنی انفرادیت قائم رکھنے میں کامیاب ہیں۔ واضح رہے کہ کلیاتِ اشک میں اکیس نظمیں سو سے زائد غزلیات اور تیس رباعیات شامل ہیں۔ اس اردو مجموعے کے علاوہ اشک کا ایک فارسی شاعری پر مشتمل مجموعہ بھی طبع ہوا۔ یہ مجموعہ بھی اُن کی زندگی میں اشاعت پذیر نہ ہو سکا اور تقریباً نصف صدی نگاہوں سے اوجھل رہا۔ اُن کی صاحبزادی بیگم سعیدہ ضیا نے انتہائی دقت نگاہ محنت اور احتیاط سے یہ دونوں اُردو کلیات اور فارسی مجموعہ شائع کروائے۔

آصف بشیر چشتی اس مجموعے کے دیباچے میں لکھتے ہیں:

کلام اشک کا دریافت شدہ فارسی نسخہ نہایت خستہ تھا اور ایسے خط شکستہ میں لکھا ہوا تھا کہ بڑی دقت سے پڑھا جاتا تھا۔ آخر ڈاکٹر بشیر احمد مسعود، محمد ادریس خوشنویس، چودھری فرزند قادری ڈاکٹر ریاض مجید اور ڈاکٹر اختر چیمہ کی مساعی سے یہ مرحلہ طے ہوا۔'' (۲۶)

اس مجموعۂ کلام میں قصائد غزلیات، منظومات اور ایک مثنوی آہنگ عشق کے علاوہ ایک نعتیہ قصیدہ، حضرت علی ہجویری (داتا گنج بخش) کا ایک ناتمام قصیدہ، والیٔ کپورتھلہ کا قصیدہ سالگرہ کا ایک تہنیت نامہ اور کرنل ابر صاحب کا مرثیہ شامل ہیں۔

ڈاکٹر بشیر احمد مسعود کا خیال ہے:

''قارئین پر یہ حقیقت آشکار ہو جائے گی کہ کلام اشک اپنے ہمعصروں سے کسی طرح کم نہیں۔ یہ مجموعہ ادبیات فارسی میں ایک بے بہا اضافہ ہے۔''(۲۷)

ڈاکٹر صاحب کی یہ اپنی رائے ہے۔ اشک کا نمائندہ فارسی کلام اُن کی غزلیات اور غنیمت کنجاہی کے جواب میں لکھی ہوئی ایک مثنوی آہنگ عشق ہے اُن کی فارسی شاعری پر غنیمت کے اثرات بھی نمایاں ہیں۔ مثلاً یہ شعر ملاحظہ کیجیے:

شکستہ آئینہ دل چناں کہ در کویش
براہِ عشق کی رفتم و ہزار شدم(۲۸)

(میرے دل کا آئینہ اس طرح ٹوٹا کہ اس کی گلی میں شوق کے راستے سے اکیلا گیا تھا اور ایک سے ہزار ہوگیا ہوں۔)

اُن کا کلام سبک ہندی کا نمونہ ہے۔ یعنی معاملات حسن و عشق، مبالغہ آرائی، خودداری، عظمت انساں، الٰہیاتی و اخلاقی مضامین، اختصار اور شعری صنعتوں کا استعمال خوب ہے۔

داغِ عشق برجبینِ ما نشانِ امتیاز
تارِ زلف یار باشد و رشتۂ زنار ما(۲۹)

(اُس کے عشق کا داغ ہماری پیشانی کے لیے نشانِ امتیاز ہے یار کی زلف کا تار ہماری زنار کا تاگہ ہے۔)

بے حلقۂ زلف تو دلم گشت پریشان
زنجیر بہ دمسازئ دیوانہ ضرور است(۳۰)

(تیری زلف کے حلقے کے بغیر میرا دل پریشان ہوگیا ہے۔ دیوانے کی دم سازی کے لیے زنجیر بہت ضروری ہے۔)

''صحن خلد'' میں اشک کی تقریباً پچیس غزلیں شامل ہیں جو سبک ہندی میں لکھی گئی ہیں۔ آہنگ عشق بجواب نیرنگ عشق ایک طویل مثنوی ہے جو مولانا غنیمت کنجاہی کی مشہور مثنوی نیرنگ عشق کے پیرائے میں رقم ہوئی ہے۔ اُنہوں نے اس استفادے کا اظہار بھی کیا۔

زہر گلبن گل گفتار چیدم
زناف آہواں نافہ بریدم(۳۱)

اشک کی نغز گوئی عمدہ ہے حسن و عشق ہجر و وصال کی نفسیاتی کیفیات اور پند و نصائح کے اظہار میں بھی اک دلکشی موجود ہے۔

برون کن از دلت حب زر و مال
دلت گردد و زُحب مال پامال(۳۲)
(اپنے دل سے مال و دولت کی محبت نکال دے حبِ مال دل کو پامال کر دیتی ہے۔)
بہ سہرے گر کسے یکبار خندید
زجور آسماں صد بار نالید!(۳۳)
(اگر کوئی زندگی میں ایک بار ہنسا ہے تو آسمان کے ظلم و جور سے سو بار رویا ہے۔)
در آں شہر از قدمش شور اُفتاد
کہ بار آمد جوانِ خانہ برباد(۳۴)
(شہر میں اُس نے قدم رکھا تو شور برپا ہو گیا کہ وہ جوانِ خانہ برباد پھر آ گیا ہے۔)

کہا جا سکتا ہے کہ ظفر حسین اشک فارسی کے ایک قادر کلام شاعر تھے۔اُن کی شاعری ایک کلاسیکی تاثر کی حامل ہے۔مجموعی طور پر ان کی شاعری میں جمالیات پسندی کا رویہ غالب ہے۔اُن کے اسلوب پر رنگ قدیم کی جھلک واضح ہے وہ سیاسی و سماجی لحاظ سے ایک ہنگامی دور میں بسر کر رہے اور اہم سرکاری عہدوں پر بھی فائز رہے تھے۔اعلیٰ تعلیم یافتہ اور نئے عہد کے تقاضوں سے بھی آگاہ تھے۔اس لیے جدید عہد کے موضوعات مسائل اور اسلوب کو کلاسیکی لہجے میں بیان دیا ہے۔یوں اُن کی شاعری قدیم و جدید کا اچھا امتزاج ہے۔اُن کی وفات کے پچاس سال بعد چھپنے والے ان مجموعوں کو آج کے تناظر میں دو اعتبار سے اہمیت حاصل ہو سکتی ہے۔اوّل تو یہ کہ آنے والی نسلوں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ پرانی روائتوں علم و ادب کے قدیم دبستانوں اور حوالوں کو ہمراہ لے کر چلیں اور اس علمی و ادبی ثروت مندی سے نئی نسل کو آگاہ رکھیں۔ دوم جدیدیت کے زعم میں گرتے ہوئے معیار ادب کو آگاہی حاصل ہو کہ دورِ گزشتہ میں دوم سوم صف کے اہلِ قلم بھی کس ادبی سطح پر فائز تھے۔

☆☆☆☆

حوالہ جات

۱۔ سعیدہ ضیاء، دیباچہ کلیاتِ اشک، قرطاس پبلشرز، فیصل آباد، ۲۰۰۰ء، ص ۱۶

۲۔ ظفر حسین اشک، کلیاتِ اشک، قرطاس پبلشرز، فیصل آباد، ۲۰۰۰ء، ص ۶۴

۳۔ ایضاً، ص ۵۸

۴۔ ایضاً، ص ۱۹۱

۵۔ ایضاً، ص ۵۶

۶۔ ایضاً، ص ۷۲

۷۔ ایضاً، ص ۷۰

۸۔ ظفر حسین اشک، کلیاتِ اشک، اشاعت دوم، مجلس معین ادب، فیصل آباد، ۲۰۰۳ء، ص ۶۴

۹۔ ظفر حسین اشک، کلیاتِ اشک، قرطاس پبلشرز، فیصل آباد، ۲۰۰۰ء، ص ۶۸

۱۰۔ آصف بشیر چشتی، حرفِ آغاز، کلیاتِ اشک، اشاعت دوم، مجلس معین ادب، فیصل آباد، ۲۰۰۳ء، ص ۲۸

۱۱۔ ظفر حسین اشک، کلیاتِ اشک، قرطاس پبلشرز، فیصل آباد، ۲۰۰۰ء، ص ۴۳

۱۲۔ ایضاً، ص ۴۷

۱۳۔ ایضاً، ص ۵۵

۱۴۔ ایضاً، ص ۵۱

۱۵۔ ایضاً، ص ۵۹

۱۶۔ ایضاً، ص ۲۵

۱۷۔ ایضاً، ص ۱۳۲

۱۸۔ ایضاً، ص ۱۴۸

۱۹۔ ایضاً، ص ۱۵۹

۲۰۔ ایضاً، ص ۲۰۴

۲۱۔ ایضاً، ص ۲۸۷

۲۲۔ ایضاً، ص ۳۰۸

۲۳۔ ایضاً، ص ۱۹۳

۲۴۔ ایضاً، ص ۱۹۷

۲۵۔ ایضاً، ص ۲۱۰

۲۶۔ آصف بشیر چشتی، صحن خلد از ظفر حسین اشک، دیباچہ، قرطاس، فیصل آباد، ۲۰۰۱ء، ص ۱۶

۲۷۔ بشیر احمد مسعود، ڈاکٹر، صحن خلد از ظفر حسین اشک، قرطاس، فیصل آباد، ۲۰۰۱ء، ص ۱۸

۲۸۔ ظفر حسین اشک، صحن خلد، مرتبہ بیگم سعیدہ ضیا، مجلس معین ادب، فیصل آباد، ۲۰۰۱ء، ص ۲۳

۲۹۔ ایضاً، ص ۲۷

۳۰۔ ایضاً، ص ۵۵

۳۱۔ ایضاً، ص ۱۲۸

۳۲۔ ایضاً، ص ۱۴۲

۳۳۔ ایضاً، ص ۱۴۷

۳۴۔ ایضاً، ص ۱۵۴